25

اپنے نمونہ اور عمل کو ایسا پاکیزہ بناؤ کہ تم اپنی ذات میں مجسم تبلیغ بن جاؤ۔

(فرمودہ 24/جولائی 1953ء بمقام احمد آباد سندھ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''احمد آباد کی زمین ہمیشہ ہی ایک الٰہی معجزہ کی یاد دلاتی ہے۔ 1915ء سے 1917ء میں کسی عرصہ کی بات ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ پر کھڑا ہوں۔ نہر کا کنارہ ہے، کچھ اور دوست بھی میرے ساتھ کھڑے ہیں کہ اتنے میں زور کی آواز آئی جیسے پانی گرنے یا آبشار کا شور ہوتا ہے۔ میں نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس پر بعض دوستوں نے جو میرے اردگرد تھے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ نہر کا بند ٹوٹ گیا ہے اور پانی تمام علاقہ میں پھیل گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ پانی کا بہاؤ ایسا تیز ہے جیسے کسی بڑے بھاری دریا کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ پانی سُرعت کے ساتھ پھیلتا چلا جاتا ہے اور اردگرد کے گاؤں اور قصبات اس کی زد میں آتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اُس وقت کئی گاؤں اور قصبات نظر آتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ جب پانی ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ ان کے نیچے کی زمین کو اس طرح

کاٹ کر پھینک دیتا ہے جس طرح زمیندار اپنے کھرپے سے گھاس کی جڑیں اُکھیڑ دیتا ہے۔ پانی آتا ہے اور آن کی آن میں انہیں اچھال کر پرے پھینک دیتا ہے۔ چنانچہ بیسیوں گاؤں اور قصبات مجھے دکھائی دیئے جو پانی کے اس بہاؤ کی وجہ سے برباد ہوگئے۔ لیکن پہلے تو وہ پانی پرے پرے جارہا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ جس جگہ پر ہم کھڑے ہیں وہ محفوظ ہے۔ لیکن اتنے میں جو دوست میرے ساتھ تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ پانی کا رُخ اب اس طرف پھر گیا ہے اور وہ چکر کاٹ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو آنے لگا ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پیشتر اس کے کہ ہم بھاگ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے سیلاب نے ہمیں آلیا اور جس جگہ پر ہم کھڑے تھے اُس بند کے نیچے کی زمین اُس نے کاٹ دی اور ہمیں بھی پانی میں پھینک دیا۔ جب میں پانی میں گرا تو میں نے تیرنا شروع کیا۔ مگر اس وقت پانی اتنا گہرا ہو گیا کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی نہر کا پانی ہے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گہرا دریا یا سمندر ہے۔ میں پَیر لگانے کی کوشش کرتا لیکن زمین مجھے ملتی نہیں تھی۔ میں نے بعض دفعہ غوطہ لگا کر زمین کی تہہ معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی میں ناکام رہا اور میں اِسی طرح بہتا چلا گیا یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ اب فیروزپور آ گیا ہے۔ پھر میں فیروزپور سے آگے کی طرف بہتا چلا گیا۔ مگر میرا پاؤں کہیں لگا نہیں۔ اُس وقت میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کی اور یہ فقرہ میری زبان پر جاری ہوا جو پہلے بھی کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے کہ "یا اللہ سندھ میں تو پَیر لگ جائیں۔ یا اللہ سندھ میں تو پیر لگ جائیں۔" یہ دعا میں کرتا چلا گیا یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ اب پانی کم ہو گیا ہے اور میں نے اپنے پاؤں زمین پر لگانے کی کوشش کی تو میرے پاؤں لگ گئے اور میں پانی سے باہر نکل آیا۔

یہ 1915ء سے 1917ء تک کے کسی سال کی بات ہے۔ جب مجھے خلیفہ ہوئے ابھی ایک سال یا دو سال یا تین سال ہی ہوئے تھے۔ اُس وقت حالات ایسے تھے کہ ہماری جماعت کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی دنیا میں وہ معروف تھی۔ ہمارا کوئی تبلیغی مشن بھی سوائے انگلستان کے اُس وقت تک قائم نہیں ہوا تھا۔ جماعت کی تبلیغی جدوجہد صرف افراد تک محدود تھی۔ یعنی اس غرض کے لیے مبلغ مقرر نہیں تھے بلکہ احمدی افراد ہی تبلیغ کرتے اور لوگ ان کی وجہ سے احمدیت میں داخل ہو جاتے۔ غرض اس وقت تک کوئی ایسے حالات نہ تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ

ہماری جماعت کے لیے کہیں باہر جانے کا بھی موقع ہوگا۔ اور کوئی ایسے حالات نہ تھے جن سے یہ سمجھا جاسکتا کہ کسی وقت ہم سندھ کی طرف جائیں گے اور وہاں پناہ لیں گے۔ یہ خواب آئی اور وہ سال گزر گیا پھر دوسرا سال آیا اور گزر گیا۔ تیسرا سال آیا اور گزر گیا۔ چوتھا سال آیا اور گزر گیا۔ پانچواں سال آیا اور گزر گیا۔ چھٹا سال آیا اور گزر گیا۔ ساتواں سال آیا اور گزر گیا۔ آٹھواں سال آیا اور گزر گیا ۔نواں سال آیا اور گزر گیا۔ دسواں سال آیا اور گزر گیا۔ گیارہواں سال آیا اور گزر گیا۔ بارہواں سال آیا اور گزر گیا۔ تیرھواں سال آیا اور گزر گیا۔ تیرہ سال کے بعد ایک اخبار میں مَیں نے پڑھا کہ گورنمنٹ نے سندھ میں نہروں کی ایک بڑی بھاری سکیم منظور کی ہے اور وہاں بہت سی قابلِ کاشت زمین نکلی ہے۔ اُس وقت گورنمنٹ کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ کوئی شخص اس زمین کو خریدے گا۔ زیادہ تر یہی خیال تھا کہ زمین تقسیم کی جائے گی اور بہت سَستی اور آسان شرائط پر لوگوں کو دے دی جائے گی۔ جس وقت یہ اعلان ہؤا مجھے اپنا رؤیا یاد آ گیا اور میں نے دوستوں سے کہا کہ یہ ایک اچھا موقع ہے۔ خواب میں مجھے سندھ کا علاقہ ہی دکھایا گیا تھا جہاں میرے پاؤں لگے۔ اور پنجاب کے دریاؤں کا بھی سندھ سے ہی تعلق ہے۔ پنجاب کے دو بڑے بھاری دریا ستلج اور بیاس فیروز پور کے پاس آ کر ملتے ہیں۔ اور پھر پانچوں دریا، دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ اعلان پڑھ کر میں نے سوچا کہ اس علاقہ میں جو نہریں بننے والی ہیں یہ ضرور خدائی حکمت کے ماتحت ہیں اور خدا تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان زمینوں کو آباد کرنے کی کوشش کریں۔

چنانچہ میں نے دوستوں میں تحریک کی اور اخباروں میں بھی اعلان کروا دیا کہ اگر کوئی احمدی وہاں زمین خریدنا چاہے تو یہ بڑا عمدہ موقع ہے۔ مگر کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اِس پر مجھے خیال پیدا ہوا کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر یہ زمین خرید لیں اور آگے چل کر دوسروں کے پاس فروخت کر دیں۔ چنانچہ ہم نے ایک کمیٹی بنالی اور فی کس ایک ایک سو روپیہ کا حصہ رکھا۔ دس حصے میں نے خریدے۔ آٹھ حصے انجمن نے خریدے اور ایک ایک حصہ یا اس سے زیادہ بعض اَور دوستوں نے خرید لئے۔ کُل 30 حصے تھے۔ اور ہمارا ارادہ تھا کہ جب تین ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا تو ہم اپنا آدمی بھجوا کر شرائط کا پتا لیں گے اور اس کے بعد اگر ہم نے مناسب سمجھا تو ممکن ہے ہم یہ زمین

خرید ہی لیں۔ چنانچہ روپیہ جمع ہوا اور ہم نے بعض دوست یہاں زمین دیکھنے اور شرائط وغیرہ معلوم کرنے کے لیے بھجوائے۔ جب ہمارے دوست یہاں آئے اور انہوں نے شرائط معلوم کیں تو اُس وقت ان زمینوں سے لوگوں کی اس قدر بے رغبتی تھی کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو افسر مقرر تھا اس نے ہماری جماعت کے دوستوں سے کہا کہ اگر احمدی جماعت اس زمین کو آباد کرنے کی کوشش کرے تو ہم اس کو کمیشن دینے کے لیے تیار ہیں۔ مجھے جب ان دوستوں نے یہ رپورٹ دی تو میں نے کہا کہ کمیشن کی بجائے اگر وہ کچھ حصہ زمین کا ہی ہمیں دے دے تو یہ زیادہ اچھا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے نمائندہ نے اُس سے بات کی۔ مگر چونکہ اُس وقت ان زمینوں کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی اس لیے فیصلہ ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ اتنے میں کچھ گاہک بھی آنے لگ گیا۔ اِس پر اُس افسر نے کہا کہ اب تو ہمارا یہ ارادہ نہیں کہ ہم کسی کمیشن کے ماتحت یہ زمین دیں۔ اب ہم اس زمین کو فروخت کرنے یا ٹھیکے پر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس وقت ہزاروں ایکڑ زمین پڑی تھی اور گورنمنٹ ٹھیکے پر دے کر بھی خوش ہوتی تھی۔ جو صاحب یہاں آئے تھے انہوں نے میرے پاس رپورٹ کی کہ اس طرح زمین ملتی ہے۔ اُس وقت ہماری تجویز یہ تھی کہ دو حصے ٹھیکے پر لئے جائیں اور ایک حصہ خرید لیا جائے یا ایک حصہ ٹھیکے پر لیا جائے اور دو حصے خرید لئے جائیں۔ لیکن اُن کی اپنی رائے یہ تھی کہ زمین خریدی نہ جائے صرف ٹھیکے پر لی جائے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ سندھ کی زمین کارآمد نہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ یہ زمین ٹھیکے پر لے لی جائے۔ اِس پر ہماری میٹنگ ہوئی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں یہ زمین خریدنی چاہیے ٹھیکے پر نہیں لینی چاہیے اور کچھ لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں یہ زمین ٹھیکے پر ہی لینی چاہیے خریدنی نہیں چاہیے۔ میری رائے دونوں کے درمیان تھی کہ کچھ زمین خرید لی جائے اور کچھ زمین ٹھیکہ پر لے لی جائے۔ جن صاحب کی یہ رائے تھی کہ یہ زمین ٹھیکہ پر ہی لینی چاہیے انہوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا اور صرف 29 حصے رہ گئے۔ حصہ دار صرف سات تھے۔ چنانچہ ہمارے آدمی یہاں زمین کا انتخاب کرنے کے لیے آئے اور وہ زمین جہاں اب ڈینی سرا سٹیٹ ہے اس کے متعلق درخواست دے دی گئی کہ ہم پچیس ہزار ایکڑ اس جگہ سے لینا چاہتے ہیں۔ یہ درخواست گورنمنٹ کو بھجوا دی گئی۔ مگر ہفتوں گزر گئے اس کا کوئی جواب نہ آیا۔

پھر مہینوں گزر رے اوراس کا کوئی جواب نہ آیا۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ہم نے اپنا آدمی بھجوایا کہ پتا تو لو کہ بات کیا ہوئی ؟ جب وہ متعلقہ افسر سے جا کر ملا تو اس نے کہا کہ آپ کی درخواست تو پہنچ چکی ہے۔مگر ابھی ہم سوچ رہے ہیں ۔ مجھے جب یہ جواب ملا تو میں حیران ہوُا کہ سارے سندھ میں زمین تقسیم ہورہی ہے لیکن ہماری درخواست کا کوئی فیصلہ ہونے میں ہی نہیں آتا اور کہا جاتا ہے کہ ابھی غور ہورہا ہے آخر یہ غور کبھی ختم بھی تو ہونا چاہیے۔مگراس جواب پر ہم نے پھرانتظار کیا۔مگر جب کچھ مدت تک کوئی جواب نہ ملا تو میں نے پھر اپنا آدمی بھجوایا کہ جا کر پتا لو کہ ہماری درخواست کا کیا بنا؟ اُسے پھر یہی جواب دیا گیا کہ سوچ رہے ہیں۔تب میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کو زمین دینے میں جوتر دّد ہے اور ہماری درخواست کو پیچھے ڈالا جارہا ہے اس میں ضرور کوئی بات ہے۔ پنجاب کے گورنر سراڈوائر جو ریٹائر ہوکر ولایت جا چکے تھے اُن سے چونکہ دورانِ ملازمت میں واقفیت تھی اِس لئے خیال ہوُا کہ اُن کو لکھا جائے کہ مسٹر ڈو سے جو سندھ کی زمینوں کے افسر تھے اوراُس وقت چھٹی پر انگلستان گئے ہوئے تھے پوچھ کر حقیقت بتائیں۔ چنانچہ میں نے انگلستان کے مبلغ کو لکھا کہ اس اس طرح واقعہ ہوا ہے۔تم سراڈوائر سے ملو اورانہیں کہو کہ ہمارے معاملہ کو اس طرح پیچھے ڈالا جارہا ہے۔ اِس وقت اتفاقاً ڈو صاحب بھی وہیں موجود ہیں آپ اُن سے ملکر ہمیں بتائیں کہ اس میں روک کیا ہے اور کیوں ہماری درخواست کو منظور نہیں کیا جاتا۔اُس وقت انگلستان میں جو ہمارے مبلغ تھے اُن کی اتفاقاً جارج لائڈ سے بھی واقفیت تھی جنہوں نے بیرج ورکس کی سکیم نکالی تھی اور جو کچھ سال پہلے بمبئی کے گورنر تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو میرا پیغام سراڈوائر کو دیا اور دوسری طرف خود جارج لائڈ سے ملے اوراسے کہا کہ ڈو آیا ہوا ہے آپ اُس سے مل کر پتا لے دیں کہ ہماری درخواست کو کیوں منظور نہیں کیا جاتا۔چونکہ لارڈ جارج لائڈ سے ہمارے مبلغ کے تعلقات معمولی تھے اُس نے صرف اتنا کہہ دیا کہ میں نے ڈو سے آپ کی بات کہہ دی ہے اور وہ اس کا خیال رکھے گا۔لیکن سراڈوائر چونکہ پنجاب رہ چکے تھے اور ہمارے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے انہوں نے ہمارے مبلغ سے کہا کہ گو مسٹر ڈو نے مجھے آپ کو یہ بات بتانے سے منع کیا ہے مگر چونکہ میرے آپ لوگوں سے گہرے تعلقات ہیں اس لیے میں وہ بات چھپا نہیں سکتا اور صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔ کہ وہ زمین آپ کی جماعت کو نہیں مل سکتی وہ انہوں نے انگریزوں کو

دینی ہے۔ مسٹر ڈو نے مجھے بتایا ہے کہ گورنر بمبئی نے اسے لکھا ہے کہ مجھے وائسرائے کی چٹھی ملی ہے کہ یہ زمین کسی اَور کو نہ دی جائے بلکہ فلاں انگریز کو دی جائے۔ اس کے بعد میری کیا طاقت ہے کہ میں اس حکم کو ردّ کر دوں اور یہ زمین انہیں دے دوں۔ لیکن ادھر ان کی درخواست بھی آئی ہوئی ہے۔ اور ان کی درخواست پہلے کی ہے اگر ہم اس درخواست کو رد کر دیں اور انگریزوں کو زمین دے دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے ہندوستان میں شور مچ جائے گا کہ انگریز جو غیر ملکی ہیں ان کو زمین محض رسمی مقاطعہ 1 پر دے دی گئی ہے اور خود ہندوستانیوں کو زمین قیمت پر بھی نہیں دی گئی۔ حالانکہ ان کی درخواست پہلے کی ہے۔ اس وجہ سے ہم خاموش ہیں اور ٹلا رہے ہیں تا کہ ایک دن خود ہی یہ تنگ آ کر چلے جائیں اور ہم یہ کہہ سکیں کہ چونکہ اس زمین کا کوئی اَور گاہک نہیں رہا اس لیے ہم نے یہ زمین انگریزوں کو دے دی ہے۔ یہ حالات بتا کر سراڈ وائر نے کہا کہ آپ اس زمین کا خیال چھوڑ دیں اور کسی اور زمین کے متعلق درخواست دے دیں۔

جب ہمیں یہ جواب ملا تو ہم نے پھر اپنے آدمی بھیجے کہ جاؤ اور پھر کسی زمین کا انتخاب کرو۔ چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے اس زمین کا انتخاب کیا جہاں اب احمد آباد اور محمود آباد ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ زمین بھی پہلی زمین کے ساتھ ہی ایک پہلو میں ہے اور ایک ٹکڑا اس کے اگلے رُخ پر ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اٹھارہ سو ایکڑ محمود آباد میں اور اکیس بائیس سو ایکڑ احمد آباد میں خرید لئے جائیں۔ میں نے کہا اجازت ہے۔ چنانچہ پھر ان دو ٹکڑوں کے متعلق درخواست دے دی گئی۔ مگر اس درخواست کے بعد پھر خاموشی طاری ہوگئی اور جب کچھ عرصہ کے بعد ہم نے یاددہانی کرائی تو پھر ہمیں یہی جواب ملا کہ ہم غور کر رہے ہیں۔ ہم حیران ہوئے کہ یہ عجیب بات ہے کہ اَور سب لوگوں کی درخواستیں منظور کر لی جاتی ہیں اور جب ہماری درخواست آئے تو کہا جاتا ہے کہ ابھی ہم غور کر رہے ہیں اس کی تہہ میں ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنا آدمی بھجوایا کہ وہ افسر انچارج سے ملے اور اس بارہ میں گفتگو کر کے اس کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ ڈو صاحب کو اُس وقت ترقی مل گئی تھی اور ان کی جگہ مسٹر گوڑ والہ ایک پارسی کام کر رہے تھے۔ ان کا ایک پی اے 2 نارائن داس تھا۔ چودھری فتح محمد صاحب مسٹر گوڑ والہ سے ملے اور اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ اس انگریز نے پھر درخواست دے دی ہے کہ یہ زمین بھی میرے مطالبے میں شامل ہے۔ پھر

اس نے کہا کہ میں ہوں تو پارسی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ سخت ظلم ہے کہ انگریزوں کو زمین دے دی جائے اور آپ لوگ جو اس ملک کے باشندے ہیں آپ کو زمین نہ دی جائے۔ لیکن میرے لئے کوئی راستہ کھلنا چاہیے جس پر چل کر میں آپ لوگوں کا حق آپ کو دلا سکوں۔ اس نے کہا کہ ڈینی سر والوں کا بیس ہزار ایکڑ زمین کا مطالبہ تھا۔ ساڑھے سترہ ہزار ایکڑ زمین انہوں نے منتخب کر لی ہے اور اڑھائی ہزار ایکڑ زمین ابھی باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ اڑھائی ہزار ایکڑ زمین بھی ہم منتخب نہ کر لیں اُس وقت تک یہ زمین کسی اَور کو نہ دی جائے۔ جس وقت وہ یہ باتیں کر رہا تھا نرائن داس اُس کے سامنے بیٹھا تھا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو نرائن داس کھڑا ہو گیا۔ یہ اُس کا پی۔ اے تھا جسے اُس زمانہ میں چٹ نویس کہا کرتے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحب! کیا آپ سچ مچ اِن کو زمین دینا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا یہ بالکل درست ہے۔ میں واقع میں اِن کو زمین دینا چاہتا ہوں اور مجھے یہ بُرا لگتا ہے کہ انگریز یہ ساری جائیداد لے جائیں۔ مگر میرے لیے کوئی راستہ ہونا چاہیے جس پر چل کر میں انہیں زمین دے سکوں۔ نرائن داس نے کہا اگر آپ سچ مچ اِن کو زمین دینا چاہتے ہیں تو راستہ میں بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اپنی میز سے ایک چِٹھی نکالی جو میجر ونرمینن کی لکھی ہوئی تھی۔ (یہی انگریز تھے جنہوں نے اس زمین کا سودا کیا تھا) اور وہ مسٹر گوڑ والہ کو پڑھ کر سنائی۔ اس چِٹھی کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے بیس ہزار ایکڑ کی درخواست دی ہوئی تھی جس میں سے ساڑھے سترہ ہزار ایکڑ زمین ہم نے چُن لی ہے۔ باقی زمین چونکہ ردّی ہے اس لیے ہم وہ نہیں لینا چاہتے۔ جب اس نے یہ چِٹھی نکال کر دکھائی تو مسٹر گوڑ والہ نے کہا لاؤ کاغذ ابھی میں اِن کی زمین کی منظوری دیتا ہوں۔ اب مجھے قانونی حق حاصل ہو گیا ہے جس کی بنیاد پر میں ڈینی سر کی درخواست کو رد کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے کاغذات پر دستخط کیے اور یہ زمین ہمیں مل گئی۔ بعد میں ہمیں پتا لگا کہ میجر ونرمینن نے جو اپنے نمائندے اس زمین کو دیکھنے کے لئے بھجوائے تھے انہوں نے اپنے گھوڑے سامنے کی طرف سے ڈالنے کی بجائے پیچھے کی طرف سے ڈالے۔ چنانچہ جب وہ محمود آباد کے پاس پہنچے (اُن کی زمین محمود آباد کے ساتھ ہی لگتی ہے) تو اتفاقاً وہاں کچھ ردی زمین تھی۔ انہوں نے اُس ٹکڑا کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے موڑ لیے اور پھر وہ آگے گئے ہی نہیں۔ انہوں نے یہی خیال کر لیا کہ یہ سب زمین ردّی اور ناقابلِ کاشت ہے۔ ادھر احمد آباد کے پاس انہوں نے سڑک

کے پاس سے زمین دیکھنی شروع کی تو وہ حصے اُن کے سامنے آئے جیسے اٹھارہ واٹر کورس والی زمین ہے۔ اور اس کو بھی انہوں نے ردّی قرار دے دیا۔ اِس طرح مگرمچھ کے منہ سے یہ لقمہ بچا۔ اس کے بعد گورنمنٹ سے کچھ اور زمین خریدی گئی۔ چنانچہ اب بتیس سو ایکڑ محمود آباد میں اور بتیس سو ایکڑ ہی احمد آباد میں ہے۔

یہ ایک نشان تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا۔ کہ پہلے اس نے بتایا کہ سندھ میں ایک موقع نکلنے والا ہے جو ہماری جماعت کی ترقی کا ایک ذریعہ ہوگا اور مجھ سے رؤیا میں دعا کروائی۔ اور اس کے بعد انگریزوں سے ٹکر ہوئی اور وائسرائے تک نے سفارش کی۔ مگر اتنی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ سے نکال کر یہ زمین ہمیں عطا کی اور محمود آباد اور احمد آباد میں ہمیں زمین مل گئی۔

اس کے بعد ایک نئی صورت یہ نکلی کہ ناصر آباد میں لاہور کے دو زمیندار آئے اور انہوں نے وہ زمین خرید لی۔ مگر اس کے بعد ان دونوں میں لڑائی ہوگئی اور اِس پر ان دونوں میں سے ایک شخص قادیان میں میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اُس سے زمین خرید لی۔ دوسرے حصہ دار نے اپنا حق گورنمنٹ کو واپس کر دیا کہ میں اس زمین کی قیمت نہیں دے سکتا۔ جب اس نے گورنمنٹ کو یہ زمین واپس کی تو اتفاقاً اُس وقت ہمارا ایک عزیز وہاں موجود تھا۔ اس نے فوراً یہ زمین خرید لی۔ جس سے میں نے بوجہ مقاربت اور ہمسائیگت یہ زمین خود لے لی اور اس طرح ناصر آباد کی آبادی کی صورت پیدا ہوئی۔

محمد آباد کی زمین اِس طرح ملی کہ یہ حصہ کسی نے شروع میں پانچ سال کے مقاطعہ پر لیا ہوا تھا۔ تحریک نے اس مقاطعہ کے دوران میں ہی اس زمین کی قیمت داخل کر دی اور کہا کہ جب یہ مقاطعہ ختم ہوگا تو پھر یہ زمین ہماری ہوگی۔ چنانچہ مقاطعہ ختم ہونے پر محمد آباد کی زمین تحریک کو مل گئی۔ اس طرح صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید اور بعض دوسرے احمدیوں کی ایک بہت بڑی جائیداد سندھ میں بن گئی۔

اُس وقت یہ حالت تھی کہ جب ہم نے یہ زمین لی تو ہم نے اپنی جماعت کے دوستوں سے بار بار کہا کہ یہ زمین خرید لو مگر اس وقت ایک ایکڑ کی درخواست بھی کسی کی طرف سے نہ آئی۔

اُس وقت صرف میں نے چھ سو ایکڑ زمین خریدی تھی۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ شروع میں گھاٹا ہونا شروع ہوا۔ اس پر ایک بیوہ جو حصہ دار تھی اس نے کہا کہ میں اس گھاٹے کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس نے اپنی اڑھائی سو ایکڑ زمین میرے پاس فروخت کر دی۔ اس کے بعد ایک اَور ساتھی گھبرایا اور اس نے بھی اپنا اڑھائی سو ایکڑ میرے پاس فروخت کر دیا۔ غرض مختلف حصہ داروں نے گھبرا گھبرا کر اپنی زمین بیچنا شروع کر دی۔ اس طرح محمود آباد میں جو نئی زمین خریدی گئی تھی وہ بھی اور کچھ پرانی زمین بھی میرے پاس آ گئی۔ گویا جماعت کی بے توجہی کے باوجود اور گورنمنٹ کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ یہاں ایک بہت بڑی جائیداد ہماری جماعت کی قائم ہو گئی۔

اس دوران میں نواب عبداللہ خان صاحب جو پہلے اس بات کی تائید میں تھے کہ صرف مقاطعہ پر زمین لینی چاہیے خریدنی نہیں چاہیے انہیں چونکہ اِدھر بار بار آنا پڑا اور افسروں سے اُن کے تعلقات ہو گئے اِس لیے گورنمنٹ نے انہیں نواب شاہ میں مقاطعہ پر کچھ زمین دے دی۔ نصرت آباد کی زمین اُس وقت کسی اَور کے پاس مقاطعہ پر تھی۔ وہ غریب خاندان میں سے تھا۔ جب روپیہ آیا تو اس نے بے تحاشا اُس روپیہ کو لُٹانا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مقروض ہو گیا اور گورنمنٹ کو قسطیں ادا نہ کر سکا۔ اِس پر اُس نے چاہا کہ کسی اَور سے اس زمین کا تبادلہ کرے۔ نواب عبداللہ خان صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اس سودے میں کُود پڑے کیونکہ انہیں یہ فائدہ نظر آیا کہ اس طرح ہم سب احمدی ایک جگہ اکٹھے رہیں گے۔ چنانچہ اس نے نواب شاہ والی زمین لے لی اور میاں عبداللہ خان صاحب نے نصرت آباد والی زمین لے لی۔

اس عرصہ میں ڈینی سر نے یہاں ایک فیکٹری بنائی۔ ہم نے انہیں کہا کہ ہمیں بھی اس فیکٹری میں شامل کر لو۔ یہ فیکٹری کپاس بیلنے والی تھی۔ انہوں نے ایسی شرطیں پیش کر دیں جن کے نتیجہ میں انہیں تو ہم سے فائدہ پہنچ سکتا تھا مگر ہمیں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لیکن ہم نے کہا بہت اچھا ہمارا حصہ ڈال لو۔ چنانچہ اس پر ہمارے دوست اُن سے ملے اور وہ ہمارے دوستوں سے ملے۔ انہوں نے ہمیں اپنے پاس بلوایا اور ہم نے اُن کی دعوت کی اور اس موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں دو لاکھ روپیہ دے دیں۔ اس کے بعد جو آمد ہو اُس میں سے چھ آنے آپ کے

اور دس آنے ہمارے ہوں گے۔ ہم نے دوستوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ایک لاکھ میں تو یہ پریس لگا لیں گے۔ اور ایک لاکھ ان کے باقی سارے کارخانے کی قیمت ہے۔ گویا یہ چاہتے ہیں کہ ان کے کارخانہ کی قیمت بھی انہیں مل جائے، پریس بھی لگوا لیں اور پھر ہمارے روپیہ سے ہی تجارت کر کے چھ آنے ہمیں دے دیں اور دس آنے اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ ہم نے ان پر زور دیا کہ ان شرطوں کو کچھ نرم کیا جائے۔ مگر انہوں نے شرطیں نرم نہ کیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے میرے دل میں تحریک پیدا کی کہ کنری میں جگہ لو اور وہاں اپنا کارخانہ بناؤ۔ چنانچہ کنری میں ہم نے اُس وقت کارخانہ بنایا ہے جب وہاں ایک جھونپڑی بھی نہ تھی۔ ہمارے کارخانہ کی بدولت ہی یہ کنری شہر بنا ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں کارخانہ بھی دے دیا اور پھر اس کارخانہ کی وجہ سے وہاں آبادی ہو گئی اور شہر بن گیا۔

اسی طرح نبی سر روڈ میں بھی جو آبادی ہوئی وہ اسی اسٹیٹ کی وجہ سے ہے۔ اور جس دن خدا تعالیٰ نے ہمیں نبی سر روڈ میں دُکانیں اور مکان بنانے کی توفیق عطا فرما دی تم دیکھو گے کہ یہ بھی ایک اچھا خاصا شہر بن جائے گا۔

صرف دو جگہیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک ناصر آباد اور ایک محمد آباد۔ ناصر آباد تو ریل سے دو میل پرے ہے۔ لیکن محمد آباد اسٹیشن سے قریب ہے اور گو ابھی وہاں کوئی شہر نہیں لیکن اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹاہلی بھی عنقریب شہر بننے والا ہے۔ یہ ایک الٰہی تصرف تھا جس کے ماتحت اِس علاقہ میں ہمیں اتنی بڑی زمین مل گئی۔ ہمارے ملک میں ایک گاؤں عموماً پانچ سو ایکڑ میں بسایا جاتا ہے۔ اور یہاں ہماری جماعت کے افراد، صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی جو زمین ہے اگر اس کو جمع کیا جائے تو اکیس ہزار ایکڑ بنتی ہے۔ گویا اگر ہم پنجاب کے نمونہ پر یہاں گاؤں بسانا چاہیں تو بیالیس گاؤں بسا سکتے ہیں۔ پھر یہ ہماری زمین ریلوے لائن کے قریب ہے۔ اور ہماری اپنی جِننگ فیکٹری (Ginning Factory) اور پریس وغیرہ ہے۔ غرض یہ ایک بہت بڑی جائیداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ گو بدقسمتی سے ہم اپنی اس جائیداد کو ابھی تک ایسے رنگ میں نہیں لا سکے کہ سلسلہ کو معتد بہ آمد ہو سکے۔ کئی سال کے بعد اب صدر انجمن کا زمینی قرضہ اترا ہے۔ مگر تحریک کا ابھی آٹھ لاکھ کے قریب قرض

باقی ہے۔اس کی زمین کی قیمت زیادہ تر چندوں سے ادا کی گئی۔اور کچھ اسی زمین کی آمدن سے اور کچھ دوستوں سے قرض لے کر۔ان زمینوں سے زیادہ اچھی آمد نہ ہونے میں کچھ ہمارے انتظام کے نقص کا بھی دخل تھا۔کیونکہ شروع میں ہمیں ایسے کارکن ملے جو زیادہ تجربہ کار نہیں تھے۔مگر اب بظاہر حالات ایسے نظر آتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان زمینوں سے زیادہ آمد شروع ہوجائے گی۔کیونکہ کچھ تو اخراجات پر تصرف کرلیا گیا ہے اور کچھ زمین اس طرح درست ہوگئی ہے کہ اب آسانی سے اس کی نگرانی کی جاسکتی ہے۔ٹیلے وغیرہ کاٹ دیئے گئے ہیں، گڑھے پُر کردیئے گئے ہیں، جھاڑیاں ہٹا دی گئی ہیں اور ایسی صفائی ہوگئی ہے کہ اب ایک نظر ڈال کر سب زمین کو دیکھا جاسکتا ہے۔

جب میں پہلی دفعہ یہاں آیا ہوں تو اُس وقت اس علاقہ میں ریلوے لائن نہیں تھی۔ہم جھڈو اسٹیشن پر اترے اور گھوڑوں پر سوار ہوکر یہاں آئے۔اُس وقت یہاں جنگل کی یہ حالت تھی کہ ہم حیدرآباد سے ایک موٹر اپنے لیے لے آئے تھے۔میرپورخاص کی بھی اُس وقت کوئی حیثیت نہیں تھی۔جب ہم احمد آباد سے محمود آباد گئے تو ہم نے ایک آدمی موٹر میں پہلے بھجوادیا کہ وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے دوستوں کو ہمارے آنے کی اطلاع دے دے۔تھوڑی دُور تک جانے کے بعد اس نے موٹر ٹھہرایا اور واپس آکر کہا کہ کیا آپ کی طرف سے ہم وہاں یہ بھی کہہ دیں کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے دسترخوان پر کھانا لگا دیا جائے کیونکہ اُس وقت آپ کو بھوک لگی ہوئی ہوگی۔میں نے کہا کہہ دیا جائے۔مگر اُس وقت راستوں کی یہ کیفیت تھی کہ موٹر دو گھنٹوں کے بعد پہنچا اور ہم گھوڑوں پر ان سے پہلے پہنچ گئے۔جب موٹر وہاں پہنچا تو میں نے اُن سے مذاقاً کہا کہ آپ نے تو ہمارے لیے کھانا نہیں لگوایا مگر ہم نے آپ کے لیے کھانا لگا رکھا ہے۔پھر محمود آباد کے جنگل کی اِس قدر خطرناک حالت تھی کہ رات کو کوئی شخص اکیلا پاخانہ کے لیے نہیں جاسکتا تھا بلکہ تین آدمی مل کر جاتے تھے۔ایک پاخانہ بیٹھتا تھا اور دوسرا ہاتھ میں لالٹین لیے پچاس یا سو فٹ تک کھڑا رہتا تھا۔اور پھر اس سے پچاس یا سو فٹ کے فاصلے پر ایک اور شخص اپنے ہاتھ میں لالٹین لیے کھڑا ہوتا تھا۔اور پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک دوسرے کو آواز دیتے تھے۔یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔کیونکہ بڑی کثرت کے ساتھ سانپ ہوا کرتے تھے۔اور کئی ایسے زہریلے ہوتے

تھے کہ اُدھر سانپ کاٹتا تھا اور اِدھر وہ شخص مرجاتا تھا۔ ہمارے آنے سے چند دن پہلے ہی یہاں ایک تحصیلدار دورہ کے لیے آیا اور وہ کرسی پر بیٹھ کر کام کرتا رہا۔ جب وہ تھک گیا تو اُس نے اپنا پاؤں نیچے لٹکایا۔ مگر اِدھر اُس نے اپنا پاؤں زمین پر رکھا اور اُدھر فوراً اُسے کسی سانپ نے ڈس لیا اور وہ مرگیا۔ غرض یہ حالت تھی اس علاقہ کی۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ لائل پور اور سرگودھا کی طرح یہ علاقہ بھی ترقی کر رہا ہے اور آٹھ دس سال کے بعد کسی کو خیال بھی نہیں رہے گا کہ یہاں جنگل ہوا کرتا تھا اور لوگ اس علاقہ میں آتے ہوئے اور رات کو باہر نکلتے ہوئے ڈرا کرتے تھے۔ ہمارا کوئی دورہ محمود آباد اور احمد آباد کا ایسا نہیں ہوا کرتا تھا جس میں ہمیں سانپ کاٹے کا علاج نہ کرنا پڑتا ہو۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی شاذ کوئی ایسا کیس ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو ایک نشان کے طور پر بنایا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مکہ کی بنیاد رکھوائی اور اُن سے یہ دعا کروائی کہ اے خدا! تُو اِس وادیٔ غیر ذِی زرع کو برکت دے اور یہاں ایسے لوگ آئیں جو تیرے نام کو بلند کرنے والے اور تیرے دین کی خدمت کرنے والے ہوں۔ اسی کے نمونہ اور نقشِ قدم پر خدا تعالیٰ نے یہ نشان دکھایا ہے اور ہمیں ایسی جگہ لے آیا جہاں ہمارے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ایسی جگہ لے آیا جہاں گورنمنٹ تک ہمیں زمین دینے کی مخالف تھی۔ اور ایسی جگہ لے آیا جہاں اُس وقت ریل تک بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو برکت دی۔ اور جب ریل گزری تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ریل کی پٹڑی ایسی جگہ رکھی گئی کہ ہر جگہ ہماری ہی زمینیں ریلوے لائن کے قریب آئیں اور ڈینی سر والے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ احمد آباد کی زمین نبی سر روڈ کے قریب ہے جو ریلوے اسٹیشن ہے۔ محمد آباد کی زمین کے قریب ٹاہلی اسٹیشن بنا اور محمود آباد کے قریب کنری کا اسٹیشن بنا اور ناصر آباد کے قریب کنجیجی کا اسٹیشن بنا۔ غرض ریل بھی گزری تو ایسی طرز پر کہ وہ ہماری ہی زمینوں کو طاقت دیتی چلی گئی۔ یہ ایک الٰہی نشان ہے جو ظاہر ہوا۔ اور جس کی اہمیت ہماری جماعت کے افراد کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔

احمد آباد میں جب ہم پہلی دفعہ آئے تو یہاں صرف دو کمرے تھے جن میں مینیجر رہا کرتا تھا۔ اور باقی لوگ جھونپڑوں میں رہا کرتے تھے۔ پھر اس سال جب ہم ناصر آباد میں گئے تو

میرے ٹھہرنے کے لیے جو جگہ بنائی گئی وہ ایک درخت کے نیچے تھی۔ گھاس پھونس کی چھت ڈال کر ایک جھونپڑا سا بنالیا گیا تھا جس میں مَیں نے رہائش اختیار کی۔ مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیکھتے ہی دیکھتے ہماری حالت بدل دی اور مکان بھی بن گئے اور احمدی مزارعین بھی آ گئے۔ مگر یہ دولت اور زمین اُسی وقت مفید ہو سکتے ہیں اور یہ احمدی اُسی وقت بابرکت ہو سکتے ہیں جب یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے کام آئے۔ صرف ہمارے کام آنا ہمارے لیے کسی خوشی کا موجب نہیں ہوسکتا۔ یوں تو عیسائیوں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں، ہندوؤں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں، یہودیوں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں اور اسی طرح اَور کئی قوموں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں۔ اگر اسی رنگ میں ہمارے پاس بھی کچھ جائیدادیں ہو جائیں تو یہ ہمارے لیے کسی فخر کا موجب نہیں ہوسکتیں۔ ہماری جائیدادیں ہمارے لیے تبھی فخر کا موجب ہوسکتی ہیں اور تبھی ہم ان کے ملنے پر خوشی محسوس کر سکتے ہیں جب وہ خدا کے کام آئیں۔ اور خدا تعالیٰ کے کام ہمارے اموال اور ہماری جائیدادیں اسی رنگ میں آسکتی ہیں جب ہم لوگوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف مائل کرسکیں، ان کے کینہ اور بغض کو دُور کرسکیں اور وہ خود ہم سے حقیقتِ حال معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اور جب وہ ہمارے قریب آئیں تو ہمارے عملی نمونہ کو دیکھ کر ان کے دل بالکل صاف ہوجائیں۔ بغض ان کے دلوں سے نکل جائے اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوجائیں۔

پھر یہاں کی زمین اس طرح بھی خدا کے کام آسکتی ہے کہ یہ زمین ہمیں اتنا نفع دینے لگے کہ اس کی آمد سے ہم بیرونی ممالک میں اَور زیادہ تبلیغی مشن قائم کردیں۔ ہمارے بیسیوں مشن عیسائی ممالک میں ہوں، بیسیوں مشن ہندوستان میں ہوں، بیسیوں مشن سکھوں میں کام کر رہے ہوں، بیسیوں مشن چینیوں میں کام کر رہے ہوں، بیسیوں مشن جاپانیوں میں کام کر رہے ہوں۔ غرض تمام دنیا میں اشاعتِ اسلام ہورہی ہو اور ہر جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا جا رہا ہو۔ مگر ابھی یہ زمینیں ہمیں اتنا نفع نہیں دے رہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب سے دسواں حصہ کم روپیہ یہ زمینیں ہمیں دے رہی ہیں۔ پنجاب میں ایک مربع عام طور پر اڑھائی ہزار روپیہ سالانہ ٹھیکے پر چڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں جن کے سات مربعے ہیں اور وہ سات مربعے اکیس ہزار

روپیہ ٹھیکہ پر چڑھے ہیں۔تحریک جدید کا سندھ میں چار سو مربع ہے۔اس لحاظ سے اسے بارہ لاکھ سالانہ کی آمدن ہونی چاہیے۔لیکن ان زمینوں نے صرف پچھلے دو سالوں میں ایک لاکھ روپیہ دینا شروع کیا ہے۔غرض پنجاب اور سندھ کی زمینوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ وہاں بعض دفعہ ایک ایک مربع پانچ پانچ سات سات ہزار روپیہ پر بھی چڑھ جاتا ہے۔اگر پانچ ہزار روپیہ پر یہاں بھی ایک مربع چڑھے تو تحریک جدید کو بیس لاکھ روپیہ اور سات ہزار پر چڑھے تو اٹھائیس لاکھ روپیہ ملنا چاہیے ۔مگر ہمیں صرف ایک لاکھ روپیہ ملتا ہے۔پس جہاں تک آمد کا سوال ہے یہاں کی زمینوں کی آمد پنجاب کی آمد کے پاسنگ بھی نہیں۔ بلکہ پنجاب کی آمد کے مقابلہ میں بیسواں حصہ بھی نہیں ۔جتنی زمین سے وہاں بیس روپے کمائے جاتے ہیں اتنی زمین سے یہاں ایک روپیہ بھی نہیں کمایا جا سکتا ہے۔

پس وہ دن تو ابھی دور ہے جب اِس زمین سے ہمیں اس قدر نفع حاصل ہونا شروع ہو جائے کہ ہم دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنے تبلیغی مشن قائم کرسکیں ۔لیکن ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس نشان کی طرف لوگوں کو توجہ دلائیں اور انہیں بتائیں کہ اِس زمانہ میں صرف احمدیت ہی خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات کو پیش کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ وابستگی انسان کے اندر حقیقی تقویٰ پیدا کرتی اور اس کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سچائی کے لیے کسی بڑی نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی ۔سچائی انسان کے عمل سے ثابت ہو جاتی ہے۔اور خواہ کتنا ہی کسی کو دبایا جائے ، کتنا ہی کسی کو مٹایا جائے اگر اس کے دل میں نور ہو تو وہ کبھی چُھپ نہیں سکتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص کے دل میں رِیاء تھا اُس نے مسجد میں رات دن عبادت شروع کر دی تا کہ کسی طرح وہ لوگوں میں ولی مشہور ہو جائے۔لیکن باوجود سارا دن عبادت کرنے کے اور ہر وقت مسجد میں رہنے کے جب وہ باہر نکلتا تو لڑکوں نے اُس سے مذاق کرنا اور عورتوں نے بھی اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر کہنا کہ یہ بڑا منافق انسان ہے۔اس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی ایمان نہیں پایا جاتا۔محض رِیاء کاری کے لیے نمازیں پڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ چھ سات سال گزر گئے وہ برابر لوگوں میں بزرگ اور ولی مشہور ہونے کے لیے نمازیں پڑھتا رہا اور لوگ اُسے منافق اور رِیاء کار

کہتے رہے۔ آخر سات سال گزرنے پر اُسے خیال آیا کہ میں نے تو اپنی عمر برباد کر دی۔ جس چیز کو حاصل کرنے کے لیے میں نمازیں پڑھتا رہا وہ اب تک مجھے حاصل نہیں ہوئی۔ میں چاہتا تھا کہ لوگوں میں ولی مشہور ہو جاؤں مگر لوگ مجھے منافق اور رِیاء کار کہتے رہے۔ اب میں اس بے ایمانی کو چھوڑتا ہوں اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ جنگل میں چلا گیا۔ اس نے وضو کیا اور پھر نماز میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! اتنے عرصہ تک میں نے بناوٹی ولی بننے کی کوشش کی۔ مگر نہ میں بناوٹی ولی بنا اور نہ ہی مجھے تُو ملا۔ اب دنیا والے مجھے جو چاہیں کہیں مجھے ان کی پروا نہیں میں صرف تیری رضا کے لیے عبادت کروں گا اور صرف تجھ سے تعلق رکھوں گا۔ اس کے بعد وہ مسجد میں آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سچے دل سے عبادت شروع کر دی۔ ابھی اُس کے اِس عزم پر چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر اشارہ کرنے لگے کہ یہ تو بڑا بزرگ ہے۔ اس کے چہرے سے تو خدا تعالیٰ کا نور ظاہر ہوتا ہے تو جب کوئی خدا کا ہو جائے تو لوگ اُسے تبلیغ سے خواہ کتنا روکیں آپ ہی آپ تبلیغ ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا منہ بتا رہا ہوتا ہے کہ اُس پر خدائی نور چمک رہا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو اُس کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ مگر خدا آپ لوگوں کے دلوں میں تحریک کرتا ہے اور انہیں ہدایت کے قبول کرنے کے لیے کھینچ کر لے آتا ہے۔ اور جب خدا کسی کو آپ تحریک کرے تو اَور کون ہے جو اُسے روک سکے۔ یہ لوگ زید کو کہہ سکتے ہیں کہ تم کسی کو مت تبلیغ کرو اور زید اس ہدایت کی پابندی کرے گا۔ لیکن جب خدا کسی سے کہے گا کہ جا اور زید سے جا کر پوچھ کہ یہ کیا بات ہے؟ تو وہ اُس شخص کو زید کے پاس آنے سے کس طرح روک سکیں گے۔ وہ تو کہے گا کہ مجھے خدا نے تمہاری طرف بھیجا ہے میں اُس وقت یہاں سے نہیں ہلوں گا جب تک میں تم سے یہ دریافت نہ کر لوں کہ وہ کیا چیز ہے جو تم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہو۔

دنیا میں کوئی انسان ساری دنیا پر حکومت نہیں کر سکتا۔ وہ اُس کے صرف ایک حصہ پر حکومت کر سکتا ہے، وہ اس کے صرف ایک ٹکڑے پر حکومت کر سکتا ہے۔ وہ ایک وقت کے لیے ساری دنیا کی کچھ چیزوں پر بھی حکومت کر سکتا ہے۔ لیکن ساری دنیا میں ساری چیزوں پر ہمیشہ کے لیے صرف خدا ہی کی حکومت ہوتی ہے۔ کسی یورپین فلاسفر نے یہ ایک نہایت ہی سچی بات کہی ہے

کہ ''تم دنیا کے ایک حصے کو ہمیشہ کے لیے دھوکا دے سکتے ہو، تم ساری دنیا کو کچھ دنوں کے لیے بھی دھوکا دے سکتے ہو۔ لیکن تم ساری دنیا کو ہمیشہ کے لیے دھوکا نہیں دے سکتے۔'' جس طرح یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے جو اُس نے بیان کی۔ اِسی طرح یہ بھی اس سے کم سچائی نہیں کہ انسان دنیا کے کچھ حصوں پر لمبے عرصہ کے لیے حکومت کرسکتا ہے۔ انسان ساری دنیا پر کچھ دنوں کے لیے حکومت کرسکتا ہے۔ لیکن سارے انسانوں پر اور ساری دنیا پر ہمیشہ کے لیے خدا کی ہی حکومت ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی سچائی نہیں جسے دنیا کی کوئی حکومت روک سکے۔ کوئی سچائی نہیں جسے دنیا کی کوئی بادشاہت دبا سکے۔ کیونکہ جب خدا کے قبضہ میں سب دل ہیں اور وہ خود انسانی قلوب پر قابض اور متصرف ہے اور وہ آپ کسی سے کہے کہ جاؤ اور اس ہدایت کو تسلیم کرلو تو کونسی چیز ہے جو اس کو ہدایت پانے سے روک سکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے سنا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اُس نے اپنے بھائی سے کہا کہ جاؤ اور تحقیقات کر کے آؤ کہ یہ کیا بات ہے۔ وہ مکہ میں آیا تو قریش اور دوسرے بڑے بڑے سردار اس سے ملے اور اس سے پوچھا کہ تم مکہ میں کس طرح آئے ہو؟ اس نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ اس شخص سے ملوں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے حالات دریافت کروں۔ انہوں نے کہا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اتنی دُور سے اُس کے حالات معلوم کرنے کے لیے آ گئے۔ وہ تو پاگل ہے اور اُس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم اُس کے رشتہ دار ہیں اور اس کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔ وہ تو بڑا فریبی اور ٹھگ انسان ہے تم اس کے پاس جا کر اپنے وقت کو کیوں ضائع کرتے ہو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ مکہ سے واپس آ گیا۔ اُس کے بھائی نے اس سے پوچھا کہ سناؤ تم نے کیا تحقیقات کی؟ اس نے کہا کہ وہ تو ایک ٹھگ اور فریبی انسان ہے۔ بھائی نے کہا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تم خود اس شخص سے ملے تھے اور اس سے تم نے باتیں کیں تھیں؟ اُس نے کہا میں تو نہیں ملا مگر مجھے اس کے رشتہ دار مل گئے تھے۔ ان سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ بڑا دھوکے باز انسان ہے۔ اس لیے میں اس کے پاس گیا ہی نہیں۔ اس کے بھائی کے دل میں تقویٰ تھا۔ اُس نے جب یہ بات سنی تو اپنے بھائی کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو نے دوسروں کی بات پر اعتبار

کرلیا اور واپس آ گیا۔ تجھے تو اس لیے بھجوایا گیا تھا کہ تُو خود جا کر اپنے کانوں سے اُس کی باتیں سنے اور اپنی آنکھوں سے اس کے حالات دیکھے۔ نہ یہ کہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُسے سُن کر واپس آ جائے۔ یہ تو ہم یہاں بیٹھے بھی جانتے ہیں کہ لوگ اُس کی مخالف کرتے ہیں اور اُسے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اب میں خود جاؤں گا اور اس سے مل کر آؤں گا3۔

چنانچہ وہ خود مکہ میں گیا۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی رسول کریم ﷺ کے مخالف رشتہ دار اُسے مل گئے اور انہوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ کہاں سے آئے ہو اور مکہ میں تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے کہا میں فلاں قبیلے سے آیا ہوں اور یہاں مجھے ایک ضروری کام ہے۔ انہیں شبہ پڑ گیا کہ کہیں یہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے ہی نہ آیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اچھا ہم تمہیں ایک بات بتائے دیتے ہیں تم یہاں جس کام کے لیے آئے ہو وہ تو بے شک کرو لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ یہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ وہ تمہیں مل جائے اور تمہیں ورغلانے کی کوشش کرے۔ تم اس کے پھندے میں نہ پھنسنا۔ وہ بڑا چال باز اور فریبی انسان ہے۔ اور ہم اس کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔ ہمارا وہ قریبی رشتہ دار ہے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ٹھگی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس بات کو مزید پختہ بنانے کے لیے کسی نے کہا کہ میں اس کا چچا ہوں، کسی نے کہا میں اس کی پھوپھی کا بیٹا ہوں، کسی نے کہا کہ میں اس کا بھائی ہوں، اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نے محض ایک دکان کھولی ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح لوگ اس کے پھندے میں پھنس جائیں اور اسے عزت اور شہرت حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا آپ تسلی رکھیے میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ اُس کی باتوں میں آ جاؤں۔ جب اس نے مکہ والوں کی مخالفت دیکھ لی اور اس نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں کو آپ سے بِلا وجہ بَیر ہے تو اس نے مناسب سمجھا کہ اس بارہ میں مزید احتیاط کی جائے اور کسی شخص سے کچھ دریافت نہ کیا جائے۔ صرف اپنے طور پر اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

چنانچہ اُس نے بازاروں میں اور گلیوں میں گھومنا شروع کیا کہ شاید اُسے رسول کریم ﷺ کہیں نظر آ جائیں مگر آپ اُسے کہیں دکھائی نہ دیئے۔ مکہ میں اُن دنوں چونکہ شدید مخالفت تھی اس لیے رسول کریم ﷺ حضرت اُمِّ ہانی کے گھر میں بیٹھ کر تبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔ اس لیے باوجود سارا دن باہر پھرنے کے وہ رسول کریم ﷺ کی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شام کے قریب اُسے

حضرت علیؓ ملے اور انہوں نے کہا کہ آج میں نے تمہیں سارا دن مکہ کا چکر لگاتے دیکھا ہے کیا تمہیں یہاں کچھ کام ہے؟ اُس نے کہا کام تو ہے مگر ابھی جس غرض کے لیے میں آیا تھا وہ پوری نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی ٹھکانا بھی ہے؟ اس نے کہا، ٹھکانا تو کوئی نہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ پھر میرے ساتھ چلو اور جس مکان میں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہیں رات گزار لو۔ چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ آیا۔ آپ نے اسے کھانا کھلایا اور پھر وہ آپ کے مکان کے ایک کونہ میں ہی سو گیا۔ اُسے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ جس شخص سے ملنے کے لیے میں مکہ میں آیا ہوں وہ بھی اِسی مکان میں رہتا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر صبح کو نکلا اور شام تک اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ حضرت علیؓ نے اُسے پھر دیکھ لیا کہ وہ مکہ کی گلیوں میں اپنی جوتیاں گھِسا رہا ہے۔ چنانچہ وہ پھر شام کو آپ سے ملے اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کام ابھی ہوا نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کو کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا، پھر کیا آج بھی کوئی ٹھکانا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ٹھکانا تو کوئی نہیں۔ حضرت علیؓ اُسے ساتھ لے گئے، کھانہ کھلایا اور اپنے مکان میں سونے کو جگہ دی۔ تیسرے دن وہ پھر صبح کو اٹھا اور اُس نے گلیوں اور بازاروں کا چکر لگانا شروع کر دیا اور شام تک اسی طرح پھرتا رہا۔ پھر حضرت علیؓ اُسے ملے اور اُسے اپنے مکان پر لے آئے، کھانا کھلایا اور سونے کو جگہ دی۔ جب وہ صبح اُٹھ کر باہر جانے لگا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ میزبان پر مہمان کا اور مہمان پر میزبان کا حق ہوتا ہے۔ تین دن تمہیں یہاں پھرتے گزر گئے۔ اب تو بتا دو کہ تم کس غرض کے لیے آئے ہو، تا کہ اگر میں بھی کچھ تمہاری مدد کر سکوں تو مدد کر دوں۔ اس نے کہا میں وہ بات اس لیے نہیں بتاتا کہ ڈرتا ہوں کہ مکہ والے مخالفت نہ کریں۔ آپ نے کہا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری بات کا کسی اَور سے ذکر نہیں کروں گا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ دیانتداری کے ساتھ یہ وعدہ کرتے ہیں تو پھر میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں نے سنا ہے یہاں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس سے ملوں اور خود اس کے حالات دریافت کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا تم نے ناحق اپنے تین دن ضائع کر دیئے۔ اگر یہی بات تھی تو تم نے پہلے کیوں نہ بتا دی۔ چنانچہ وہ اُسے اُس جگہ لے گئے جہاں رسول کریم ﷺ تشریف رکھتے تھے اور آنے جانے والوں کو تبلیغ کرتے تھے۔ اُس نے آپ کی باتیں سنیں اور مسلمان ہو گیا۔ اور

مسلمان ہونے کے بعد بھی کچھ دنوں تک رسول کریم ﷺ کی صحبت میں رہا۔ جب کئی دن گزر گئے تو اُس نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اب مجھے واپس جانے کی اجازت دیجئے۔ اور ساتھ ہی اِس بات کی بھی اجازت دیجئے کہ کچھ دنوں تک میں اپنے دل کی بات کو مخفی رکھوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا اجازت ہے۔

اِس پر وہ باہر نکلے اور اپنے قبیلہ کی طرف واپس جانے لگے۔ عربوں میں رواج تھا کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوتے یا کہیں باہر جانے کے لیے مکہ سے نکلتے تو خانہ کعبہ کا ضرور طواف کیا کرتے تھے۔ اِس دستور کے مطابق وہ بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں ابوجہل اور دوسرے بڑے بڑے عمائد بیٹھے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ اسلام پر ہنسی اڑا رہے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے جب یہ باتیں سنیں تو اُن کا جوشِ ایمان ظاہر ہو گیا اور وہ غصہ سے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ اُن کا **لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ** کہنا تھا کہ سب لوگ جوش میں آ گئے اور اُن پر ٹوٹ پڑے اور انہیں خوب مارا پیٹا۔ وہ مارتے جاتے تھے اور یہ بار بار کہتے چلے جاتے تھے کہ **لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ جب پٹتے پٹتے بہت ہی نڈھال ہو گئے تو اتفاقاً حضرت عباسؓ وہاں سے گزرے اور انہوں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے اور اسے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ صابی ہو گیا ہے اور خانہ کعبہ میں کفر بکتا ہے۔ حضرت عباسؓ آگے بڑھے اور انہوں نے اُس سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں غفار قبیلہ کا رہنے والا ہوں اور غفار قبیلہ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے مکہ والوں کا غلہ گزرتا تھا۔ حضرت عباسؓ نے جب یہ بات سُنی تو انہوں نے مکہ والوں سے کہا کہ کمبختو! تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ بے شک یہ مسلمان ہو گیا ہے مگر ہر قوم میں پچ ہوتی ہے۔ اگر غفار قبیلہ والوں کو پتا لگا کہ مکہ والوں نے ہمارے ایک غفاری کو مارا ہے تو وہ مکہ میں غلہ نہیں آنے دیں گے اور تم بھوکے مر جاؤ گے۔ اِس پر انہیں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر طواف کرنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ پھر اسلام کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ انہوں نے پھر بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور لوگوں نے پھر انہیں مارنا شروع کر دیا۔ اتفاقاً پھر حضرت عباسؓ آ گئے اور انہوں نے آپ کو اُن کے نرغہ سے چھوڑایا۔ تیسرے

دن بھی اسی طرح ہوا اور وہ پھر اپنے قبیلہ میں واپس آئے 4۔

اب دیکھو غفار قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کس نے پہنچائی ؟ کون اسے کہنے کے لیے گیا تھا کہ آؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنو؟ کوئی مسلمان نہیں تھا جس نے اُسے تبلیغ کی ہو۔ کوئی مسلمان نہیں تھا جس نے اُسے محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیا ہو۔ صرف زمین و آسمان کا خدا تھا۔ جس نے ابوذر غفاریؓ کو اس طرف متوجہ کیا اور اُسے کہا کہ جا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں سُن ۔

پس اگر ہر مسلمان کی زبان بندی کی جائے ، اگر ہر مسلمان کو تبلیغ سے روک دیا جائے ، اگر ہر مسلمان کو خدا اور اُس کے رسول کا پیغام پہنچانے سے منع کر دیا جائے تب بھی خدا کا پیغام رُک نہیں سکتا۔ خدا خود آسمان سے لوگوں کے دلوں پر الہام نازل کرتا ہے اور وہ خود بخود ہدایت کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ ہمارے پاس بیسیوں خطوط اِس قسم کے آتے ہیں کہ ہم نے فلاں خواب دیکھی ہے جس کی وجہ سے ہم احمدیت کو قبول کرتے ہیں۔ ابھی امریکہ سے وہاں کے مبلغ نے ایک شخص کی چٹھی بھجوائی ہے جو ایم۔ اے ہے اور جس میں اُس نے لکھا ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ ایک شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ "اِس زمانہ میں محمود سے بڑھ کر اسلام کا کوئی خادم نہیں"۔ اسی طرح بعض لوگ لکھتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نظر آئے اور آپؐ نے ہمیں کہا کہ اِس شخص کو قبول کر لو۔ اور جب خدا کسی کو آپ بتائے گا کہ یہ سچائی ہے تو خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو ردّ کرنے کی کون شخص طاقت رکھتا ہے۔ گورنمنٹ دروازوں پر پہرے لگا سکتی ہے، گورنمنٹ مکانوں پر پہرے لگا سکتی ہے مگر گورنمنٹ جبریل کی زبان پر کس طرح پہرہ لگا سکتی ہے۔ گورنمنٹ یہ کس طرح اعلان کر سکتی ہے کہ جبریل کسی کو کوئی بات نہ بتائے یا کسی کو کوئی ایسی خواب بھی نہ آئے جس میں اُسے سچائی کی خبر دی گئی ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جو ایسا کر سکے۔ دنیا کی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جو اُس بات کو روک سکے جس بات کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہو۔

پس یہ جگہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی جگہ ہے اور تم جو اس مقام پر بس رہے ہو تمہارا فرض ہے کہ اپنے اندر ایسی نیک تبدیلی پیدا کرو کہ تمہیں دیکھنے والے یہ بات محسوس کریں کہ تم ایک نئی چیز ہو۔ دنیا میں جب بھی کوئی ایسی چیز نظر آئے جو غیر معمولی ہو تو لوگ اُس کے متعلق خود بخود دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔ میں ایک دفعہ قادیان میں دریا

پر سیر کے لیے گیا۔ جب ہم کشتیوں پر سوار ہوئے اور وہ چلنے لگیں تو ایک سوار نے اُس وقت قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا 5 یہ آیت ایسی ہے جسے ننانوے فیصد مسلمان غلط پڑھتے ہیں یعنی بجائے مَجْرٖىهَا پڑھنے کے اُسے مَجْرِهَا پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اس کے متعلق ایک لطیفہ یاد ہے۔ قادیان میں ایک عرب رہتے تھے جو حافظ بھی تھے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل درس دے رہے تھے کہ یہی آیت آ گئی۔ آپ نے فرمایا میں دوستوں کو ہوشیار کر دینا چاہتا ہوں کہ عام طور پر لوگ اِس آیت کو غلط پڑھتے ہیں اور پھر آپ حافظ صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیوں حافظ صاحب ! کیا یہ درست ہے یا نہیں کہ لوگ عموماً یہ آیت غلط پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں حضور! لوگ غلط پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں نے تو دیکھا ہے کہ ننانوے فیصدی مسلمان یہ آیت غلط پڑھتے ہیں۔ حافظ صاحب نے بھی کہا کہ ہاں! حضور واقعہ یہی ہے کہ ننانوے فیصدی مسلمان یہ آیت غلط پڑھتے ہیں ۔ آپ نے ہنس کر فرمایا عرب صاحب کہیں وہی بات نہ ہو جائے جو پرانے زمانہ میں ایک عالم کے ساتھ ہوئی تھی۔ پھر آپ نے سنایا کہ سیبویہ جو ملکہ کا ایک بہت بڑا عالِم گزرا ہے وہ ایک دفعہ ایک عباسی خلیفہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی لفظ کے متعلق بحث شروع ہوگئی۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ لفظ یوں ہے اَور بادشاہ کے استاد نے کہا کہ یوں ہے۔ بادشاہ کو سیبویہ پر غصہ آیا کہ جب ہمارا استاد کہتا ہے کہ یہ لفظ یوں ہے تو تم اس کے خلاف کیوں کہتے ہو؟ سیبویہ نے کہا کہ حضور! شہر کے باہر بعض قبائل تجارت کے لیے آئے ہوئے ہیں اُن کی زبان زیادہ شُستہ اور صاف ہوتی ہے۔ آپ اُن میں سے کسی کو بُلا کر پوچھ لیجیئے کہ یہ لفظ کس طرح ہے۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔ اور اس نے ایک شخص کو بھجوا دیا کہ وہ باہر جا کر کسی شخص کو اپنے ساتھ لے آئے۔ وہ شخص جو قبائلیوں کو بلوانے کے لیے بھیجا گیا تھا وہ بادشاہ کا خوشامدی تھا۔ راستہ میں انہیں سمجھاتا چلا آیا کہ بادشاہ کے استاد اور سیبویہ کی آپس میں بحث شروع ہوگئی ہے۔ سیبویہ کہتا ہے کہ یہ لفظ یوں ہے اور ہمارے بادشاہ کا استاد کہتا ہے کہ یوں ہے۔ تم سے بھی اس بارہ میں دریافت کیا جائے گا۔ تم وہی کہنا جو بادشاہ کا استاد کہتا ہے۔ اس طرح تمہیں بادشاہ کی طرف سے انعام مل جائے گا۔ جب وہ دربار میں آئے تو بادشاہ نے کہا۔ دیکھو! فلاں عالم کہتا ہے کہ یہ لفظ اس طرح ہے اور سیبویہ کہتا ہے اِس طرح ہے تم یہ بتاؤ کہ یہ لفظ کس طرح ہے؟ انہوں نے کہا

حضور! جو آپ کا استاد کہتا ہے وہی ٹھیک ہے۔ سیبو یہ صَرف ،نحو کے لحاظ سے اسلامی دنیا میں سب سے بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے اور وہ بڑا ذہین اور ہوشیار آدمی تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ اس سے یہ بات کہلوائی گئی ہے۔ چنانچہ سیبو یہ نے کہا کہ حضور! اِس سے کہیے کہ یہ لفظ بول کر دکھائے۔ چنانچہ جب اُس نے بولا تو اُس طرح بولا جس طرح سیبو یہ کہتا تھا۔ چونکہ اُس کو اِس طرح بولنے کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لیے گو اُس نے کہہ تو دیا کہ یہ لفظ اُس طرح ہے جس طرح بادشادہ کا استاد کہتا ہے مگر بولتے وقت عادت اُس پر غالب آ گئی اور وہی بات درست نکلی جو سیبو یہ نے کہی تھی۔ کہیں وہی بات اب بھی نہ ہو۔ اس لیے عرب صاحب! آپ یہ آیت پڑھ کر بتائیں۔ جب عرب صاحب نے آیت پڑھی تو مجلس زعفران کا کھیت بن گئی۔ کیونکہ عرب صاحب نے اُسی طرح غلط آیت پڑھی جس طرح عوام پڑھتے ہیں۔

ہاں تو میں یہ واقعہ سُنا رہا تھا کہ میں دریا پر سیر کے لیے گیا تو ایک شخص جو شکل وصورت سے زمیندار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے قرآن کریم کی یہ آیت بالکل صحیح پڑھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا چونکہ لوگ عموماً یہ آیت غلط پڑھتے ہیں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ اس نے یہ آیت ٹھیک کِس طرح پڑھ لی۔ جب کہ مسلمان عموماً اس آیت کو غلط پڑھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک دوست سے کہا کہ وہ اس سے دریافت کرے کہ اس نے کہاں تعلیم پائی ہے؟ اب بجائے اِس کے کہ وہ اُس سے سیدھی طرح دریافت کرتے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے؟ انہوں نے مختلف سوالات شروع کر دیئے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں، کدھر جا رہے ہیں؟ کیا کام کرتے ہیں؟ اِس پر اُسے غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ کیا آپ پولیس افسر ہیں کہ مجھ سے ایسے سوالات کر رہے ہیں؟ آپ کی جو غرض ہے وہ بتایئے۔ بِلا ضرورت سوالات کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اِس پر میں خود آگے بڑھا اور میں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ آپ سے یہ دریافت کریں کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ کیونکہ آپ نے ابھی قرآن کریم کی ایک آیت بالکل صحیح پڑھی ہے۔ حالانکہ بعض مولوی تک اِس آیت کو غلط پڑھتے ہیں۔ میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں اس بارہ میں آپ سے دریافت کروں۔ مگر انہوں نے بجائے سیدھی طرح سوال کرنے کے اِدھر اُدھر کے سوالات شروع کر دیئے جس سے آپ کو تکلیف

ہوئی ہے۔ اِس پر اُس نے بتایا کہ میں فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں اور اپنے ایک بزرگ کا جو اس کے دادا یا چچا تھے نام لے کر کہا کہ انہیں علم کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے دیوبند سے خاص طور ایک قاری بلوا کر اپنے خاندان کے افراد اور گاؤں کے دوسرے بچوں کو قرآن کریم پڑھایا تھا اور اس وجہ سے میں نے یہ آیت ٹھیک پڑھی ہے۔ غرض دنیا میں جب کوئی عجیب چیز نظر آتی ہے تو لوگ آپ ہی آپ اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھے چونکہ یہ ایک عجیب بات نظر آئی کہ ایک ایسا شخص جو زمیندار معلوم ہوتا ہے اُس نے قرآن کریم کی وہ آیت جو عموماً غلط پڑھی جاتی ہے صحیح پڑھی ہے اس لیے میں نے اُس سے یہ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اور جب پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوبند سے ایک قاری بلوا کر ہمیں قرآن کریم پڑھایا گیا تھا۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص نیک اعمال بجالائے ، نیکی اور تقویٰ میں نمونہ بن جائے ، ہر قسم کے بُرے اور ناپسندیدہ کاموں سے بچے ، لوگوں کی خیر خواہی اور ان کی ترقی کے کاموں میں حصہ لے تو ہر شخص اس سے خود بخود پوچھے گا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے آپ کس قسم کے اعمال بجالا رہے ہیں۔

یہ دنیا بے نمازی ہے مگر آپ پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں ، یہ دنیا بے روز ہے مگر آپ باقاعدہ روزے رکھتے ہیں ، یہ دنیا فریب کاری اور مکاری سے کام لیتی ہے مگر آپ ہر قسم کے فریب اور مکر کے کاموں سے بچتے ہیں ، یہ دنیا دوسرے لوگوں کے اعمال کو کھا جاتی ہے مگر آپ ان کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ آخر کہاں سے آگئے ہیں؟ وہ کہے گا کہ میرا وطن احمدیت ہے۔ اِس پر وہ کہے گا کہ اگر احمدیت ایسی ہی چیز ہے جو بندے کا خدا سے تعلق پیدا کر دیتی ہے تو میں اس احمدیت کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غرض تمہارا اپنا عمل اور تمہارا چلن سب سے بڑی تبلیغ ہے۔ اگر تم اپنے عمل کو درست رکھو اور اپنا چلن پاکیزہ بناؤ تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا تمہاری طرف خود بخود متوجہ نہ ہو۔ پس اس نشان سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کرو۔

میں نے بتایا ہے کہ یہ ویسا ہی نشان ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے خدا تعالیٰ نے مکہ میں ظاہر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ الٰہی! میں اولاد کو یہاں اس لیے بسا رہا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کی اشاعت کرے ، تیرے ذکر کو بلند کرے اور تیری عبادت میں اپنی عمر بسر کرے [6]۔

یہی مقاصد ہیں جو اِس جگہ کے رہنے والوں کو بھی اپنے مدنظر رکھنے چاہئیں۔ کیونکہ خدا جب کوئی نشان دکھاتا ہے تو اس لیے دکھاتا ہے کہ لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور وہ دنیا کی بجائے دین کی خدمت میں اپنے آپ کو لگائے رکھیں۔ پس ان اسٹیٹوں میں بسنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہیں اور نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرنے کی کوشش کریں۔ خدا تعالیٰ کے اس عظیم الشان نشان کو دیکھتے ہوئے ان کا فرض ہے کہ اپنے چال چلن کو درست کریں اور اپنا نیک نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اگر تم اپنا نیک نمونہ دکھاؤ کہ بغیر اِس کے کہ تم اپنی زبان سے ایک لفظ نکالو تو لوگوں کے دل تمہاری طرف آپ ہی آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ جب انسان کو دوسرے کے متعلق یقین پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اُسے جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ بعض دفعہ بیویاں جھوٹی ہوتی ہیں مگر انہوں نے اپنے خاوندوں کو دھوکا دیا ہوا ہوتا ہے اور خاوند اُن کی شرافت کے قائل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر دس شریف آدمی بھی مل کر کہیں کہ تمہاری بیوی جھوٹ بولتی ہے تو وہ کبھی نہیں مانتے۔ اِسی طرح بعض بیویوں کو اپنے خاوند پر یقین ہوتا ہے۔ اگر ان کی بیویوں کو کہا جائے کہ تمہارے خاوند نے فلاں جُرم کیا ہے تو وہ کہیں گی کہ ایسے کہنے والا جھوٹ بولتا ہے ہمارے خاوند تو بڑے نیک اور پاک باز ہیں۔ غرض جب کسی شخص کے متعلق یقین پیدا ہو جائے تو انسان اس کے متعلق اپنے عقیدہ میں ایسا پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ پس اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہاری باتوں کو اپنے کانوں سے سننے والا ہر شخص اِس یقین پر قائم ہو جائے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ٹھیک ہے۔ اگر تم اپنے اندر تغیر پیدا کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنے متعلق ایسا یقین اور وثوق پیدا کر دو۔ تو دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو تمہاری طرف مائل ہونے سے روک نہیں سکتی۔ وہ خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے اور جو کچھ تم کہو گے اُس کو صحیح اور درست سمجھیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک دوست میاں نظام الدین صاحب ہوا کرتے تھے۔ انہیں حج کا بڑا شوق تھا۔ سات حج انہوں نے اپنی زندگی میں کئے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی دوست تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی دوست تھے۔ میاں نظام الدین صاحب ایک دفعہ حج سے واپس آئے تو لوگوں نے انہیں

بتایا کہ آپ کا ایک دوست تو پاگل ہو گیا ہے اور اس نے عجیب وغریب دعوے شروع کر دیئے ہیں۔ اور دوسرے دوست نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا ہوا؟ اِس پر انہیں بتایا گیا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انہیں کافر قرار دے دیا ہے۔ وہ کہنے لگے میں مولوی محمد حسین کو جانتا ہوں۔ اُس کی طبیعت میں جوش پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ تحقیق نہیں کرتا۔ اور مرزا صاحب کو بھی میں جانتا ہوں وہ قرآن کریم کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کر سکتے۔ انہیں ضرور کوئی غلطی لگی ہے یا لوگ ان کے متعلق جھوٹ بولتے ہیں۔ بہرحال میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مرزا صاحب کو قرآن کریم سے کوئی بات دکھا دی جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں جا سکتے۔ پھر کہنے لگے کہ اچھا اب میں اس جھگڑے کو نپٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور پہلے مرزا صاحب کے پاس جاتا ہوں تا کہ ان سے دریافت کروں کہ بات کیا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے پاس قادیان پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا۔ میاں نظام الدین صاحب! حج سے واپس آ گئے؟ انہوں نے کہا حضور! حج سے تو واپس آ گیا ہوں مگر یہاں پہنچتے ہی میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کی وجہ سے میرے پَیروں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا بات سنی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ میں یہی کہتا ہوں کیونکہ قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر قرآن سے اس کے خلاف بات ثابت ہو تو ہم اس کو چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ کہنے لگے اَلْحَمْدُلِلّٰہ میرے دل پر سے ایک بڑا بوجھ اُتر گیا ہے۔ میں یہی کہتا تھا کہ مرزا صاحب قرآن کریم کے خلاف نہیں جا سکتے۔ اب آپ بتائیں کہ اگر میں قرآن کریم سے سو آیتیں ایسی لے آؤں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں تو کیا آپ اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے؟ وہ چونکہ ہر وقت یہی سنتے چلے آئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اس لیے سمجھتے تھے کہ اس کے متعلق سَو آیتیں تو قرآن کریم میں ضرور ہوں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میاں نظام الدین صاحب! اگر ایک آیت بھی نکل آئے تو ہم اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا خدا آپ

پر رحم کرے یہی بات میں لوگوں سے کہتا آ رہا ہوں کہ مرزا صاحب قرآن کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ بہر حال اگر سو نہیں تو پچاس آیتیں تو میں ضرور لے آؤں گا۔ آپ نے فرمایا ہماری طرف سے پچاس کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اگر آپ ایک آیت بھی ایسی لے آئے تو بات صاف ہو جائے گی۔ اس پر انہیں خیال پیدا ہوا کہ شاید پچاس آیتیں بھی قرآن کریم میں نہ ہوں اور میری بات غلط ہو جائے اس لیے انہوں نے کہا اچھا! اگر میں بیس آیتیں بھی ایسی لے آیا جن سے حضرت مسیح زندہ ثابت ہوئے تو کیا آپ اپنے اس عقیدہ کو چھوڑ دیں گے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ میاں نظام الدین صاحب! ہم نے کہہ تو دیا ہے کہ اگر آپ ایک آیت بھی لے آئے تو ہم یہ عقیدہ چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے یہ بات سُن کر خیال کیا کہ ممکن ہے بیس آیتیں بھی نہ ہوں اور میری بات غلط ہو جائے اس لیے کہنے لگے اچھا بیس کو بھی چھوڑیئے اگر میں دس آیتیں بھی ایسی لے آؤں تو کیا آپ پھر بھی مان جائیں گے؟ وہ چونکہ بچپن سے یہی سنتے چلے آئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اس لیے انہوں نے خیال کیا کہ دس سے کم تو قرآن کریم میں اس کے متعلق آیتیں نہیں ہوں گی۔ آپ نے فرمایا ہماری طرف سے دس کی بھی کوئی شرط نہیں آپ ایک آیت ہی لے آئیں ہم اسی ایک آیت کو ہی تسلیم کر لیں گے۔

اس پر وہ خوش خوش قادیان سے بٹالہ پہنچے اور مولوی محمد حسین صاحب کا جا کر پتا کیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ مولوی صاحب لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُنہی دنوں حضرت خلیفہ اوّل جو جموں کے راجہ کے حکیم تھے۔ ایک مہینہ کی چھٹی لے کر لاہور آئے ہوئے تھے اَور اپنے داماد کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ لاہور آئے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے جھٹ اشتہار دے دیا کہ میرے ساتھ حیات، وفات مسیح پر بحث کر لی جائے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اس کے جواب میں اشتہار شائع کیا۔ پھر اس کا جوابُ الجواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا اور پھر اُس کا جواب حضرت خلیفہ اوّل نے دیا۔ غرض دس پندرہ دن اسی میں گزر گئے اور کوئی معاملہ طے ہونے میں نہ آیا۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ اس مسئلہ پر قرآن کریم کی رُو سے بحث ہونی چاہیے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہ کہتے تھے کہ اس مسئلہ پر حدیثوں کے لحاظ سے بحث ہونی چاہیے۔ جب جھگڑا لمبا ہو گیا تو بعض دوستوں نے کہا

کہ اس طرح تو بِلا وجہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ کسی نہ کسی بات کا فیصلہ ہونا چاہیے تا کہ اصل بحث شروع ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل سے کہا کہ کیا آپ کوئی بھی حدیث ماننے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ حضرت خلیفہ اوّل نے اس جھگڑے کو نپٹانے کے لیے کہا کہ اچھا قرآن کے علاوہ اگر آپ بخاری پیش کرنا چاہیں تو وہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بڑے خوش ہوئے کہ میں نے اپنی بات آخر منوالی۔ وہ اہلِ حدیث تھے اور طبعاً انہیں اس بات پر خوشی ہونی چاہیے تھی کہ اَور نہیں تو کم از کم بخاری کو پیش کرنا تو انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ چینیاں والی مسجد کے امام بھی تھے۔ ایک دن مسجد میں بیٹھے بڑے فخر سے بیان کر رہے تھے کہ نورالدین سارے ہندوستان میں مشہور ہے اور بڑا عالم فاضل بنا پھرتا ہے۔ لیکن میرے مقابلہ میں آیا تو اُسے اپنے گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ وہ کہتا تھا کہ صرف قرآن سے اس مسئلہ پر بحث کرو حدیث کی طرف آنے کا وہ نام نہیں لیتا تھا۔ میں بار بار اُسے اِس طرف لاتا مگر وہ اِدھر آنے کا رُخ ہی نہیں کرتا تھا۔ آخر اس نے یوں بھاگنے کی کوشش کی اور میں نے اسے یوں پکڑا۔ پھر اس نے اس طرح بچنے کی کوشش کی اور میں نے اسے یوں رگیدا۔ پھر اس نے یہ بہانہ بنایا اور میں نے اسے یوں گردن سے مروڑا۔ اور آخر میں نے اُس سے منوالیا کہ قرآن کے علاوہ بخاری بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ جب وہ بڑے زور سے یہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے نورالدین کو یوں رگیدا اور اس طرح رگڑا اور اس طرح چاروں شانے چت گرایا تو ان کی بدقسمتی سے عین اُسی وقت میاں نظام الدین صاحب وہاں جا پہنچے اور بے تکلفی سے مولوی صاحب سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کو بڑا سمجھایا ہے کہ آپ جوش میں نہ آیا کریں مگر آپ پھر بھی جوش میں آجاتے ہیں۔ بھلا نورالدین کا اِس میں کیا دخل ہے۔ میں قادیان گیا تھا اور میں مرزا صاحب سے منوا آیا ہوں کہ اگر میں قرآن کریم کی دس آیتیں ایسی لے آیا جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ تو وہ میرے ساتھ شاہی مسجد میں آکر اپنے عقیدہ سے توبہ کر لیں گے۔ اور سب لوگوں کے سامنے اِس بات کا اقرار کر لیں گے کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہ غلط تھا۔ (انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں قرآن کریم سے دس آیتیں ایسی لے آیا تو آپ کو میرے ساتھ شاہی مسجد لاہور میں چل کر اپنے عقیدہ سے توبہ کرنی پڑے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے فرمایا تھا کہ بہت اچھا ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔) میاں نظام الدین صاحب نے اس واقعہ کو ان کے سامنے دہرایا اور کہا کہ اس بحث کو بند کیجئے اور جلدی سے مجھے قرآن کریم کی دس آیتیں ایسی لکھ کر دے دیجئے۔ میں مرزا صاحب کو شاہی مسجد میں لا کر سب کے سامنے ان سے توبہ کرواؤں گا۔ اب ایک جس کا سارا فخر ہی اس بات پر تھا کہ نورالدین قرآن کی طرف جاتا تھا مگر میں اُسے حدیثوں کی طرف لانا چاہتا تھا اور آخر میں نے اُسے اس طرح رگیدا اور مروڑا اور گرایا اور پچھاڑا کہ وہ حدیث کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اُس کے لیے اُسی مجلس میں یہ بات بم کا ایک گولہ ثابت ہوئی۔ مولوی محمد حسین صاحب نے بڑے غصہ سے میاں نظام الدین صاحب کی طرف دیکھا اور کہا! تمہیں کس احمق نے کہا تھا کہ تم اس بحث میں کُود پڑو؟ میں تین ہفتے سے بحث کر کر کے نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا۔ تُو پھر اس بحث کو قرآن کی طرف لے گیا۔ اب غصہ سے یہ فقرہ تو اُن کے منہ سے نکل گیا مگر ایک سچے مومن کے لیے یہ فقرہ ایک تازیانہ سے کم نہیں تھا۔ میاں نظام الدین صاحب یہ بات سنتے ہی سَر پکڑ کر بیٹھ گئے اور دو تین منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اُٹھے اور کہنے لگے اچھا مولوی صاحب! سلام! جدھر قرآن ہے اُدھر ہی ہم ہیں۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔

اب دیکھو ان کو قرآن پر اعتبار تھا اس لیے وہ قرآن کے پیچھے چل پڑے۔ اہلِ حدیث کو حدیث پر اعتبار رہوتا ہے جب ان کے سامنے کوئی بات حدیث سے ثابت کر دی جائے تو وہ فوراً اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ ایک دوسرے مومن کو قرآن پر اعتبار رہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے کوئی بات قرآن سے ثابت کر دی جائے تو وہ فوراً اس کو ماننے لگ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو کسی تجربہ کار انسان پر اعتماد ہوتا ہے اس لیے جو کچھ وہ کہتا ہے اُسے وہ بلا دریغ ماننے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو کسی نیک انسان پر اعتماد ہوتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام کر رہا ہے تو وہ بھی ویسا ہی کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ تم بھی اپنی زندگیاں ایسی بناؤ کہ سب لوگ تمہارے متعلق یہ کہیں کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے، یہ دھوکا اور فریب نہیں کرتے، نیکی اور پاکیزگی میں اپنی عمر بسر کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے متعلق لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کر لو تو نہ کوئی حکومت کسی کو تمہارے پاس آنے سے روک سکتی ہے، نہ کوئی پارٹی تمہاری آواز کو دبا سکتی ہے، نہ لوگوں کے باہمی معاہدات تمہیں کوئی

نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ محض زبانی تبلیغیں اُن کے لیے ضروری ہوتی ہیں جن کے عمل مشتبہ ہوں۔ زبانی تبلیغیں اُن کے لیے ضروری ہوتی ہیں جن کے اندر رُشداَور ہدایت پر قائم رہنے والے آدمی موجود نہ ہوں۔ زبانی تبلیغیں ان کے لیے ضروری ہوتی ہیں جن کے اندر خدا تعالیٰ کے انوار موجود نہ ہوں۔ جن کے ساتھ خدا کا تعلق ہو، جو اپنے نیک نمونہ سے لوگوں کے دِلوں کو گھائل کر چکے ہوں، جو اپنی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد حاصل کر چکے ہوں، جو اُٹھتے اور بیٹھتے شرافت اور دیانت کا ایک مجسمہ ہوں اُن کا ہر قدم تبلیغ ہوتا ہے۔ اُن کا ہر لفظ تبلیغ ہوتا ہے، اُن کی ہر حرکت تبلیغ ہوتی ہے۔ اُن کا ہر سانس تبلیغ ہوتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو اُن کے نیک اثر سے محروم نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ جو ان کی بات سننا تک گوارا نہیں کرتے، وہ لوگ جو ان کی شکل دیکھ کر بھاگنا چاہتے ہیں وہ بھی ان کے نمونہ کو دیکھ کر ان کے پاؤں پکڑ کر برکت حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

پس اپنے نمونہ اور عمل سے اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ تم اپنی ذات میں ایک مجسم تبلیغ بن جاؤ۔ جس طرح سورج کو دیکھنے کے بعد انسان کے لیے کسی دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح جب کوئی شخص تم کو دیکھ لے تو وہ یہ یقین ہی نہ کرے کہ مرزا صاحب جھوٹے تھے۔ تم اپنی وہی حالت بناؤ جو حضرت منشی اروڑے خان صاحب مرحوم کی تھی۔ ایک دفعہ لوگ ان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں آپ بھی چل کر اُن سے بات کریں۔ منشی اروڑے خان صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کے دعویٰ سے بھی پہلے کے تعلقات تھے۔ جب وہ ان کی مجلس میں گئے تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پانچ دس منٹ تک تقریر کی اور بتایا کہ فلاں فلاں دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب سچے نہیں تھے۔ منشی اروڑے خان صاحب ان کی تقریر سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو کہنے لگے مولوی صاحب! بات اصل میں یہ ہے کہ آپ نے مرزا صاحب کو نہیں دیکھا اور میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔ وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا۔ انہوں نے پھر پانچ دس منٹ تقریر کی اور آپ کے خلاف اَور دلیل پیش کی۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو منشی اروڑے خان صاحب نے پھر کہا مولوی صاحب! آپ مجبور ہیں کیونکہ آپ نے مرزا صاحب کو

نہیں دیکھا لیکن میں نے ان کو دیکھا ہے وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا۔ مولوی صاحب نے پھر تیسری دفعہ تقریر کی اور آدھ گھنٹہ تک تقریر کرتے رہے۔ مگر منشی اروڑے خان صاحب نے پھر یہی کہا کہ مولوی صاحب! آپ کی دلیلیں بالکل بیکار ہیں آپ کتابوں کی طرف جاتے ہیں اور میں اپنی آنکھوں کی طرف جاتا ہوں۔ میں نے ان کو دیکھا ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا۔ اس مشاہدہ کے بعد آپ کی دلیلیں مجھ پر کیا اثر کرسکتی ہیں۔ آپ ہزار دلیلیں دیں میرے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔

اب دیکھو ان کے نزدیک سب سے بڑی دلیل آپ کی صداقت کی یہی تھی کہ انہوں نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اب اس یقین کے بعد خواہ کسی کے سامنے لاکھ دلائل رکھ دو وہ اُن کو اٹھا کر پرے پھینک دے گا۔ اور یہی کہے گا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ جس شخص کو میں نے دیکھا ہوا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

ہمارے ہاں ایک نوکر تھا جس کا نام پیرا تھا۔ درحقیقت وہ بیمار ہوکر قادیان آیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا علاج کیا اور وہ اچھا ہوگیا۔ اِس بات کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ پھر وہ اپنے وطن کی طرف گیا ہی نہیں قادیان میں ہی رہ گیا۔ اُن دنوں بٹالہ تک ریل پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد تانگوں پر لوگ قادیان جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام جب کوئی بلٹی وغیرہ آتی تو آپ عموماً پیرے کو ہی بلٹی لینے کے لیے بٹالہ بھجوادیا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی عادت تھی کہ وہ گاڑی کے اوقات میں عموماً اسٹیشن پر پہنچ جاتے اور جب دیکھتے کہ گاڑی سے کوئی ایسا شخص اُترا ہے جو قادیان جانا چاہتا ہے تو اس سے باتیں شروع کردیتے اور پھر اسے روکنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ وہاں جا کر کیا لو گے وہ تو محض دھوکا اور فریب ہے۔ ایک دن اتفاقاً گاڑی سے کوئی احمدی نہ اُترا یا اگر اُترا تو ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ اِدھر اُدھر پھر رہے تھے کہ انہوں نے پیرے کو دیکھ لیا۔ چونکہ لوگوں کو روکنے کی عادت پڑی ہوئی تھی انہوں نے پیرے کو ہی بُلا لیا اور کہا پیرے! تم قادیان میں کیوں رہتے ہو؟ مرزا صاحب تو بالکل جھوٹا دعویٰ کررہے ہیں۔ اس نے کہا مولوی صاحب مجھے تو مذہب کا کچھ پتا نہیں میں تو گنٹھیا سے بیمار تھا۔ قادیان آیا اور حضرت مرزا صاحب نے علاج کیا۔ جس سے میں اچھا ہوگیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر واپس

نہیں گیا انہی کے پاس رہنے لگ گیا۔مگر مجھے دین کا اب تک کچھ پتا نہیں، مجھے کوئی دلیل نہیں آتی۔ مولوی صاحب نے پھر اُس پر زور دیا کہ آخر تم ایک اسلام کے دشمن کے پاس کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔آخر تنگ آکر پیرے نے کہا کہ مولوی صاحب! میں اَور تو کچھ جانتا نہیں لیکن میری آنکھیں ہیں اور میں نے ایک بات خوب اچھی طرح دیکھی ہے۔اور وہ یہ کہ آپ روزانہ اسٹیشن پر آتے ہیں اور جو لوگ قادیان جانے کے لیے یہاں اترتے ہیں آپ اُن سے ملتے ہیں اور انہیں ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں دیکھنا! مرزا صاحب کے پاس نہ جانا وہ بڑے گندے اور فریبی انسان ہیں۔اگر تم وہاں گئے تو تمہارا ایمان خراب ہوجائے گا۔یہ طریق آپ نے مدتوں سے اختیار کر رکھا ہے۔آپ روزانہ اسٹیشن پر آتے ہیں اور اُن آدمیوں کی تلاش کرتے ہیں جو قادیان جانے والے ہوتے ہیں۔اور شاید آپ کی اب تک کئی جوتیاں اس کوشش میں گھِس گئی ہوں گی۔ لیکن لوگ آپ کی بات پھر بھی نہیں مانتے۔دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ ان سے ملنے کے لیے گھنٹوں اُن کے دروازہ پر انتظار کرتے رہتے ہیں اور وہ اس انتظار میں ایک خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں۔آخر کوئی تو بات ہے کہ باوجود اس کے کہ وہاں نہ ریل جاتی ہے اور نہ پختہ سڑک جاتی ہے پھر بھی لوگ مرزا صاحب کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔اور وہ کسی تکلیف کی پروا نہیں کرتے۔اب دیکھو! وہ ایک جاہل آدمی تھا، اَن پڑھ تھا لیکن اس دلیل کو وہ بھی سمجھتا تھا کہ خدا لوگوں کو پکڑ پکڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازے پر لا رہا ہے۔اور جس کے آگے خدا لوگوں کو خود کھینچ کر لے آئے اُس کی طرف آنے سے کسی کو کون روک سکتا ہے۔

پس تم اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ دنیا تمہارے پیچھے چلنے پر مجبور ہو۔ دنیا تم سے محبت کرنے پر مجبور ہو۔ دنیا تمہارے سایہ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو۔جس طرح اگر کسی جنگل میں سے لوگ گزر رہے ہوں اور اُس جنگل میں کوئی خطرناک شیر رہتا ہو تو لوگ سمٹ کر کسی زبردست شکاری کی پناہ میں چلے جاتے ہیں۔ اِسی طرح دنیا سمجھ لے کہ ہر جگہ آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں مگر جہاں تم کھڑے ہو وہاں کوئی مصیبت آسمان سے نازل نہیں ہوتی۔ اگر تم ایسا مقام حاصل کرلو تو دنیا تمہاری طرف آنے پر خود بخود مجبور ہوجائے گی۔اگر کسی جگہ آگ کی بارش

ہو رہی ہو اور صرف ایک مقام ایسا ہو جو اُس آگ کی بارش سے محفوظ ہو اور اُس وقت کوئی عورت اپنے بچہ کو لے کر آ جائے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ دنیا کی کوئی حکومت اور دنیا کی کوئی طاقت اُس عورت کو وہاں آنے سے روک سکتی ہے؟ نہ حکومتیں اُسے روک سکتی ہیں، نہ فوجیں اسے روک سکتی ہیں، نہ پولیس اُسے روک سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ میرا بچہ اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک میں اس جگہ نہ جاؤں۔ پس اپنے اندر وہ روح پیدا کرو جو سچے مومنوں میں ہونی چاہیے۔ تم دیکھو گے کہ خدا آپ ہی آپ ساری دنیا کو تمہارے قدموں میں سمیٹ کر لے آئے گا۔ تب تمہاری کامیابی میں کوئی شبہ نہیں ہوگا اور تمہارے پاس آنے سے لوگوں کو روکنے والا سوائے حسرت اور خسران کے اَور کچھ حاصل نہیں کر سکے گا"۔ (الفضل 23 ستمبر 1953ء)

1: مقاطعہ: ٹھیکہ (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

2: پی۔اے: (Personal Assistant)

3، 4: بخاری کتاب مناقب الانصار باب اِسْلَامُ اَبُوْذَرِّ الغفاری

5: ھود: 42

6: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرة: 128، 129)